© rasailojaraid.com

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النبأ العظیم

نظرات

۱۸۵۷ء میں ہندوستان غلام ہوا اور دس کم ایک سو برس بعد ۱۹۴۷ء میں آزاد لیکن جہاں تک عملی حقائق کا تعلق ہے۔ ان دونوں مواقع پر مسلمانوں کے لیے صورت حال یکساں ہی رہی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ مسلم ہو گیا تو ان کے غیظ و غضب اور جذبۂ انتقام کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان تھے۔ یہ تختۂ دار پر چڑھے جلاوطن کیے گئے۔ ان کی جائدادیں اور جاگیریں ضبط ہوئیں۔ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور جو نہ ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ سوچیے! آزادی کے صدقہ میں مسلمانوں کو جو حالات و واقعات پیش آئے اور جن کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ کیا وہ کسی درجہ میں ان سے کم تھے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ زیادہ ہی تھے۔ حالانکہ دونوں صورتوں میں جو فرق تھا وہ ظاہر ہے پہلی صورت استعمار کی تھی اور اس میں سابقہ ایک ایسی قوم سے پڑا تھا جو اجنبی اور پردیسی تھی اور جو زبان۔ کلچر مذہب شکل و صورت اور تمدن غرضکہ ہر چیز میں مسلمانوں سے مختلف تھی اس کے علاوہ وہ حاکم تھی اور یہ محکوم۔ وہ فاتح تھی اور یہ مفتوح۔ اس کے برخلاف ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا واسطہ ایسی قوم سے تھا جس کے ساتھ مسلمانوں کے ملکی اور وطنی روابط عرصۂ دراز سے تھے اور جس کے ساتھ میل جول سے اس ملک میں ایک نئی زبان اور ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی تھی پھر یہاں سوال حاکم و محکوم اور فاتح و مفتوح کا نہیں تھا بلکہ ہندو اور مسلمان سب باہم برادران وطن تھے اور اسی بنا پر انگریز کی غلامی سے نجات پانے میں دونوں برابر کے شریک۔ اب سوال یہ ہے کہ جب معاملہ یہ تھا تو پھر یہاں کے مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء دونوں میں ایک ہی قسم کے حالات و واقعات سے کیوں دوچار ہونا پڑا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غلامی اور آزادی۔ اجنبی اور ملکی کے فرق و امتیاز کے باوجود

© rasailojaraid.com

۱۸۵۷ء میں ملک کی حکومت اس قوم کے ہاتھ میں آئی تھی جس کے دل پر صلیبی جنگوں کی ہیبت کاریاں اب تک نقش ہیں اور اسی طرح ۱۹۴۷ء میں اقتدار ان لوگوں کو ملا تھا۔

جنہیں لے دے کر ساری داستان میں یاد تھا کہ عالمگیر ہندو کش تھا. ظالم تھا ستمگر تھا اور جن کو اورنگ زیب اور شیواجی کی معرکہ آرائیاں فراموش نہ ہوئی تھیں۔ انگریزی کہاوت TIME IS THE BEST HEALER کے مطابق امتداد زمانہ سے پرانے زخم بھرنے لگتے ہیں چنانچہ مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں دونوں فرقوں کے تعلقات خوشگوار ہو گئے اور پرانی داستانیں بھولی بسری یاد بن گئیں لیکن ملک پر انگریزوں کے اقتدار کے بعد حکومت وقت کی ایک خاص پالیسی اور اس پر خاموش عمل کے باعث دونوں فرقوں کے تعلقات پھر خراب ہونے شروع ہوئے اور نوبت آئے دن کے فسادات تک کی آگئی۔ اس دور میں تحریک خلافت اور پھر تحریک آزادی کے شروع میں ایک مرتبہ پھر ایسا زمانہ آیا جسے ہم عہد اتفاق و دوستی کہہ سکتے ہیں لیکن تحریک پاکستان نے گذشتہ صدیوں کی پوری تاریخ پر پانی پھیر دیا۔ پرانے زخم ایک ایک کر کے سب ہرے ہو گئے اور پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ!

ہندو اور مسلمان دونوں کے باہمی تعلقات کی یہ فضا تھی جس میں ملک تقسیم ہوا۔ اس تقسیم کے نتیجہ میں پاکستان کے نام سے جو ایک اسلامی ملک بنا تھا چونکہ اس کی بنیاد ہی دو قومی نظریہ تھا اس بنا پر ہندوؤں میں شعوری یا نیم شعوری طور پر اس احساس کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ جس طرح پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اسی طرح بھارت کو بھی ایک ہندو راج ہونا چاہیئے۔ اور یہ احساس صرف مسلمانوں کے مقابلہ میں ہی ہو سکتا تھا کیونکہ انکے علاوہ ملک کی کسی اور اقلیت نے نہ دو قومی نظریہ کا پرچار کیا اور نہ اس کی اساس پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا۔ بھارت کے مسلمانوں کے حق میں تقسیم کے اور جو بھی ثمرات ہوں ایک سب سے برا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے ہندو مسلم تعلقات پر اثر انداز کرنے والا ایک مستقل ملک عالم وجود میں آ گیا۔ اگر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار اور دوستانہ ہوتے تو یقیناً اس کا اثر یہاں کے ہندو مسلم تعلقات پر اچھا اور خوشگوار ہوتا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے اور دونوں ملک ایک دوسرے کے حلیف نہیں بلکہ حریف ہیں۔ اس بنا پر جب کبھی پاکستان

© rasailojaraid.com

کی طرف سے انڈین انڈیا یا کوئی حکومت ہوگی ہندو ذہن پر مسلمانوں کے خلاف اس کا ردِ عمل ہونا ناگزیر ہوگا

غرضکہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یہ ملک غلامی سے آزاد تو ضرور ہوا لیکن ان ہولناکیوں تباہ کاریوں اور قسم قسم کے خطرات اور وساوس کے ساتھ اس صورت حال کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس میں شبہ نہیں کانگرس کا یہ کارنامہ بہت زیادہ قابل تعریف اور لائق داد ہے کہ اس زہر آلود اور متعفن فضا میں بھی ملک کے لیے ایک سیکولر اور ہر لحاظ سے جمہوری دستور منظور کر لیا گیا ۔ لیکن فسادات اس کے بعد بھی نہیں رکے ۔ بلکہ ان میں شدت اور زیادتی ہی پیدا ہوتی چلی گئی اور صرف فسادات کا معاملہ نہیں ہے ۔ بلکہ ابھی حال میں یہ راز بھی کھلا ہے کہ سردار پٹیل نے اپنی وزارتِ داخلہ کے زمانہ میں حکومتوں اور دفتروں کے نام ایک سرکلر اس مضمون کا بھیجا تھا کہ فلاں فلاں ملازمتوں میں مسلمانوں کو نہ لیا جائے ۔ سنا ہے کہ اس سرکلر کو حال میں ہی منسوخ کیا گیا ہے ۔ بہر حال سرکلر کا اس طویل مدت تک نافذ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ملک کی آزادی اور تقسیم کے سلسلہ میں جو سخت بھیانک قسم کے واقعات پیش آئے ان کے باعث عوام تو عوام خود خداوندانِ حکومت کا ذہن مسلمانوں کی طرف سے مسموم تھا ۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد چند سال تک حالات بڑے صبر آزما رہے لیکن جہاں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اعلان ہوا گویا مطلع صاف ہو گیا ۔ ملک میں امن و امان قائم ہوا اور زندگی کا کاروبار نارمل ہو گیا " لیکن ۱۹۴۷ء کے جلو میں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ۔ آج اتنے عرصہ کے بعد بھی ان کا انسداد نہیں ہوا ۔ حالانکہ اور دستور بھی ہے ۔ حکومت کے اعلانات اور وعدہ وعید بھی اور قومی یکجہتی کونسل کی مساعی و کوشش بھی ! یہ کیوں ؟

اس کی ایک وجہ تو انگریز اور ہندو میں بحیثیت قوم کے جو فرق ہے وہ ہے انگریز عہد حاضر کی نہایت ترقی یافتہ ۔ مہذب اور شائستہ قوم ہے ۔ ان کے نظامِ حکومت طریقِ حکمرانی کی عظمت سب کے نزدیک مسلم ہے ۔ یہ جس ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اپنے مسائل و معاملات پر غور و فکر کرتی اور پھر جو رائے قرار پا جائے اس پر اجتماعی ہم آہنگی اور پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ عمل کرتی ہے اس کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے ۔ اس قوم کے کیرکٹر کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبات ہمیشہ عقل کے تابع ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو جن لوگوں سے واسطہ تھا وہ تعلیم و تربیت، تہذیب و شائستگی، علم و فن، اخلاق اور کیرکٹر کے اعتبار سے مقابلتہً جس درجہ اور معیار کے تھے یا ہیں وہ ظاہر ہی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا واسطہ صرف حکومت سے تھا اس بنا پر حکومت نے جب تک چاہا ظلم کیا اور جب اس نے ظلم کو خلافِ مصلحت سمجھ کر اپنا رُخ بدلا اور ایک نئی پالیسی کا اعلان کیا تو ظلم ختم بھی ہو گیا اور اعلان میں جو کچھ کہا گیا تھا اس پر عمل بھی ہونے لگا۔ اس کے برخلاف یہاں معاملہ یہ تھا کہ حکومت جمہوری تھی یعنی طاقت دراصل عوام کے ہاتھ میں تھی اور ظاہر ہے جمہوریت کی لغت میں عوام کے معنی ہمیشہ اکثریت کے ہوتے ہیں اور اکثریت جیسی کچھ تھی یا ہے وہ دنیا کو معلوم ہے اور اکثریت ہی کو کیا کہئے! جیسا کہ سردار پٹیل کے مذکورہ بالا اسٹیٹمنٹ سے ظاہر ہے سیکولرزم اور جمہوریت کے دعاوی کے باوجود خود حکومت کا ہی دماغ مسلمانوں کی طرف سے صاف کب تھا؟ پنڈت جواہر لال نہرو اور ان جیسے چند آدمی کھلے اور صاف ذہن کے ضرور تھے۔ لیکن ان کو اپنی قوم کے ساتھ یا تو غیر معمولی حسن ظن تھا اور یا انہیں اپنی لیڈرشپ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا جس کے باعث وہ یہی سمجھتے رہے کہ قوم ان کے بنائے ہوئے دستور اور ان کے بار بار کے اعلانات اور تقریروں پر عمل کرے گی اور ان کی ہدایتوں کو گوش ہوش سے سنے گی انہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ فرقہ وارانہ نفرت و فساد کا مادۂ فاسدہ کس طرح قوم کی رگ رگ میں رچ بس گیا ہے اور وہ کس طرح بہانہ بہانہ سے پھوٹ پڑنے کے لیے بے چین ہے۔

ہم نے آج کی صحبت میں ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے حالات و واقعات کا مسلمانوں کی نسبت سے ایک تقابلی جائزہ لے کر اس کے اسباب و وجوہ کا مختصراً تذکرہ کیا ہے۔ اب آئندہ قسط میں ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جو مسلم قیادت ابھری وہ ان حالات سے کس طرح عہدہ برآ ہوئی اور اگر اس طرح کی کوئی قیادت ۱۹۴۷ء کے بعد یہاں ہوتی تو اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔

© rasailojaraid.com